نوجوانوں کی تربیت اور منہج نبوی

Training of Youth and Prophetic Methods

ڈاکٹر نسیم اختر*
ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی**

ABSTRACT

Undoubtedly, Youth play cardinal role in the development and reformation of any society. Their activities produce an immense influence in the social development and progress. This article aimed at highlighting the important role of youth in social reforms by keeping in view the Islamic personalities like great companions of Holy Prophet (ﷺ). Descriptive and qualitative research approach was employed for the collection and analysis of data. The systematic review of scholarly literature on Islamic history revealed that the Prophet Muhammad (ﷺ) gave particular emphasize to nourish young generation in order to mold their lives into an ideal and balanced personality. He by developing intellectual, spiritual, and emotional skills produced such great men who led the mankind and became heroes of history. At the same time they appeared as ideal traders, peaceful citizens, just rulers, true followers of Holy Prophet (ﷺ) and loyal worshiper of Allah Almighty. The research by observing present condition of youth found that unfortunately our youth was found in illicit, unethical, useless, and peace demoting activities which promoted social evils and criminal activities. They got involved in unlawful activities including terrorism, killing, robbery, and kidnapping etc. By keeping view the above findings the research strongly recommends to nurture our youth on the footsteps of companions of Holy Prophet (ﷺ) in order to bring peace and prosperity in the country. Moreover they should be given awareness about the lives of heroes of Islam who appeared with great titles on the horizon.

Keywords: *Training, youth, Holy Prophet (ﷺ), heroes, society*

* شعبہ اسلامیات، شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی، پشاور
** لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اقوام عالم کی تقدیر، مجازاً، ہمیشہ افراد کے ہاتھوں میں رہی ہے اور دنیا کی تعمیر و تخریب میں ان افراد کا بڑا حصہ رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارا ہوتا ہے لیکن اس ستارے کی روشنی، چمک اور دمک اس وقت تک اپنے عروج پر رہتی ہے جب یہ اپنے عہد شباب میں نور و انوار کا مسافر اور متمنی رہا ہو۔ جس طرح فلک کے عرشے پر موجود ستاروں کی روشنی ان کی ذاتی نہیں بلکہ شمس و قمر سے مستفاد ہوتی ہے، اسی طرح ملت کے ان مقدر ستاروں کی رعنائیاں اور توانائیاں بھی کسی نور کی ملتجی ہوتی ہیں۔ یہ نور بلکہ مرکز نور، ذات مصطفیٰ ﷺ میں مل سکتا ہے جہاں پہنچنے کے بعد تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اجالے کا بول بالا ہوتا ہے۔ جہاں زانوئے تلمذ طے کرنے کے بعد بے آب و گیاہ وادیِ حیات، قابل کاشت نہیں بلکہ زرخیز تر ہو جاتی ہے اور اس پر وہ فصل لہلاتی ہے جس سے انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہوتا ہے اور حسرت و یاس شکست خوردہ ہونے کے بعد شرمندہ اپنے گھروں کو لوٹ جاتی ہیں۔

عصر حاضر میں جب انسانیت مسائل کے گرداب میں پھنس چکی ہے بالخصوص نسلِ نو، جو بے پناہ قوت اور صلاحیتوں کے باوجود انگشت بدنداں اور اب انتشار کی کیفیت سے دوچار ہے، اور حالت بایں جارسید کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، کے مسائل کا حل سیرت نبویہ میں مضمر ہے بشرطیکہ نوجوانان قوم کی تربیت اس طرز پر کردی جائے جسے منہج نبوی کہتے ہیں۔ زیر نظر مقالہ اسی حوالے سے ادنی سی کوشش ہے کہ ملت کے ان ستاروں کی تربیت اگر منہج نبوی پر کردی جائے تو یہ انشاء اللہ کل کے مستقبل کو روشن کرسکتے ہیں۔ نوجوانوں کی اہمیت کیا ہے اور اسلام انہیں کس نظر سے دیکھتا ہے؟ منہج نبوی پر نوجوانوں کی تربیت کیسے کی جاسکتی ہے؟ ذیل میں اسی حوالے سے گفتگو کی جارہی ہے۔

اہمیتِ شباب اسلام کی نظر میں

نوجوانی کی عمر خاص عطیہ خداوندی ہوتی ہے جس کا دورانیہ پندرہ سال سے لے کر چالیس سال تک ہوتا ہے۔ اس عرصے میں انسان کے قُوٰی اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾۔[1]

یہاں تک کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوگیا۔

علامہ ابن کثیرؒ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ کی تفسیر (أي قوي وشبّ) سے کرتے ہیں کہ وہ طاقت ور اور جوان ہوا۔ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً میں لکھتے ہیں (تناهى عقله و فهمه)[2] کہ اس کا عقل و شعور اپنے کمال کو پہنچا۔ جوانی کا دورانیہ عمر عزیز کا بہترین حصہ ہوتا ہے جس میں اعضاء و جوارح بھرپور کام کرتے ہیں، حواس خوب ساتھ دیتے ہیں اور عقل

---

(۱) سورۃ الاحقاف:۱۵

(۲) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ۷/۲۵۸

شعور مکمل طور پر اعمالِ انسانی کی نگرانی کرتا ہے۔ مذہب اسلام جوانی کی عمر کو خاص عنایت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے نوجوانوں کو رشد وہدایت کے اپنانے اور باطل سے ٹکرانے پر خراج تحسین پیش کیا ہے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾[1]

چنانچہ موسیٰ پر اس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا انھیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں فرعون اور اس کے درباری انھیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں اور فرعون تو ملک میں بڑا غلبہ رکھتا تھا اور وہ حد سے بڑھ کر جانے والوں میں سے تھا۔

حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانا اپنے آپ پر مظالم کی دعوت دینے کے مترادف تھا اسلئے کہ فرعون اور اس کے اعوان وانصار، ایمان لانے والوں پر جبر وستم کی داستانیں رقم کر دیتے تھے مگر یہ نوجوان ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے۔ اصحاب کہف جنہوں نے ایمان کی شمع کو روشن کئے رکھا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر اس طرح سے کیا:

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾[2]

وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے اور ہم نے انھیں مزید رہنمائی بخشی۔

نبی کریم ﷺ نے جوانی کی اہمیت کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ بروز قیامت آدمی کے قدم اس کی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے تاوقتیکہ وہ پانچ سوالات کے جوابات نہ دیدے عمر کہاں گزر بسر کی؟ جوانی کو کن کاموں میں گزارا؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور جو علم تھا اس پر کتنا عمل کیا؟[3] یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب دے کر ہی جان چھوٹے گی۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ پہلا سوال پوری عمر کے بارے میں ہے کہ وہ کہاں گزر بسر کی؟ پھر اس کے بعد جوانی کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ اصل عمر ہی جوانی کی ہے قرآن کریم اس عمر کو "قوت" سے تعبیر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾[4]

اللہ وہ ہے جس نے تمہیں کمزور سی حالت سے پیدا کیا۔ پھر اس کمزوری کے بعد تمہیں قوت بخشی پھر اس قوت کے بعد تمہیں کمزور اور بوڑھا بنادیا۔

---

(۱) سورۃ یونس:۸۳

(۲) سورۃ الکہف:۱۳

(۳) الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن، حدیث نمبر: ۲۴۱۷، شرکہ مکتبہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۹۷۵ء، ۴/ ۶۱۲

(۴) سورۃ الروم:۵۴

ایک مقام پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے، تندرستی کو بیماری، تونگری کو فقیری، فراغت کو مصروفیت، اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔[1] اس حدیث میں جوانی کو بڑھاپے سے قبل غنیمت بتایا گیا ہے اس لئے کہ بڑھاپے میں انسان اگر اعمال، کثرت سے بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اس لئے کہ قُویٰ اور اعضاء وجوارح ساتھ نہیں دیتے۔ بیماری بھی اسی عمر میں آگھیرتی ہے تو ماسوائے حسرت و تمنا کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا، لہٰذا ضروری ہے کہ انسان جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھے اور اعمال صالحہ میں اس عمر عزیز کو صرف کر ڈالے تاکہ جس دن روز محشر قائم ہو، اسے عرش خداوندی کے نیچے سایہ نصیب ہو۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سات اشخاص کو عرش خداوندی تلے اس دن سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس میں ایک امام عادل ہے۔ دوسرا وہ نوجوان ہے جس نے اپنی جوانی عبادت خداوندی میں صرف کر ڈالی۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل ہمہ وقت مسجد میں اٹکا رہا۔ چوتھے وہ دو اشخاص ہیں جو محبت خداوندی میں ایک دوسرے کے تعلق دار بنے اور اسی کی بناء پر ان میں دوری پیدا ہو گئی۔ پانچواں شخص وہ ہے جس کو جاہ و منصب رکھنے والی خوبصورت عورت نے دعوتِ گناہ دی مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اسے خوفِ خدا مانع ہے۔ چھٹا شخص وہ ہے جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو اس کے بائیں کو خبر تک نہیں ہوتی اور ساتواں شخص وہ ہے جو تنہائی میں ذکر الٰہی کرتا ہے تو اس کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔[2]

کیا مقام و مرتبہ ہے ایسے نوجوان کا جو اپنی زندگی کو اطاعت خداوندی میں صرف کر ڈالے اور معاصی سے اجتناب کرے تو پھر رحمت خداوندی اس پر یوں سایہ فگن ہوتی ہے کہ عرش بریں کا سایہ اسے نصیب ہوتا ہے۔ رب العالمین کا لاکھ شکر ہے کہ ایسے نوجوانوں کی کمی نہیں جن کی زندگیاں قرآن و سنت سے وابستہ ہیں۔ مساجد و مدارس جن کے دم سے آباد ہیں۔ علماء و صوفیاء کی مجالس کی وہ رونق ہیں لیکن ایک بہت بڑی تعداد لہو و لعب اور منکرات میں مشغول ہے۔ کفار اور فساق سے تشبہ، تہذیب و ثقافت میں ان کی پیروی، ترک صلوۃ، شعائر اسلام میں کہیں سستی و غفلت اور کہیں اس کا استہزاء و مذاق، غنا و موسیقی، رقص و سرور اور شراب و کباب کی مجالسِ سوء کا انعقاد، گلیوں بازاروں، چوکوں، چوراہوں میں آوارگی اور ایذاءِ محصنات، چوری چکاری اور دن دیہاڑے ڈاکہ زنی وہ منکرات ہیں جو نسلِ نو میں آداخل ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان منکرات کے ارتکاب کی ذمہ دار یہ نوجوان نسل خود ہے یا کوئی اور؟ کیا اس کی تربیت ٹھیک انداز سے کر دی جاتی تب بھی اس کی روش یہی ہوتی؟ نہیں! شاید ہرگز نہیں!! اگر نسلِ نو کی تربیت اس منہج پر ہو جاتی جو نبی کریم ﷺ کے طفیل اس امت کو ملا ہے تو شاید حالات یہ نہ ہوتے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے نوجوانوں کی تربیت کیسے فرمائی جسے اپنا کر نسلِ نو مثبت رُخ پر ڈالا جا سکتا ہے، ذیل میں اسی حوالے سے گفتگو کی جارہی ہے۔

---

(١) ابن ابی شیبہ، المصنف فی الأحادیث والآثار، حدیث نمبر: ٣٤٣١٩، مکتبۃ الرشد، الریاض، ١٤٠٩ھ، ٧/٧٧

(٢) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، حدیث نمبر: ١٤٢٣، دار طوق النجاۃ ١٤٢٢ھ، ٢/١١١

تربیت ایمانی اور منہج نبوی

صنف انسانی کی تربیت میں پہلا مرحلہ ایمان اور اس کی پختگی کا ہے۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی محنت کا محور یہی ایمان رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوری مکی زندگی میں اسی محورِ اساسی پر محنت فرمائی ہے۔ اس لیے کہ ایک مرتبہ جب یہ پختہ ہو جائے تو اس پر وہ اساس جنم لیتی ہے کہ گناہوں کے منہ زور طوفان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور بندہ مومن سدِ سکندری ثابت ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اعمال میں سب سے افضل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان۔[۱] یہ ایمان ہے ہے جس کی بدولت انسان جنت کا مستحق ٹھہرتا ہے وگرنہ اس کے اعمالِ صالحہ کے ذخیرے اکارت چلے جاتے ہیں لہذا سب سے پہلے تربیتِ ایمانی ضروری ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ سرور دوجہاں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم صاحبِ ایمان نہ ہوں۔[۲] مذہب اسلام، جس کے شعبہ ہائے تربیت میں تعلیم و تعلم، سلوک و تصوف، دعوت و جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر شامل ہیں، سب کا انحصار ایمان پر ہے۔ آپ ﷺ نے لا الٰہ الا اللہ کے ذریعے صحابہ کی ایسی تربیتِ ایمانی فرمائی کہ وقت کے فرعون انہیں خس و خاشاک نظر آئے۔ اس وقت کی عالمی طاقتوں سے وہ نبرد آزما ہوئے اور انہیں طفلِ مکتب بنا ڈالا۔ یہ سب کچھ "لا" کے ذریعے مجازی طاقتوں کی نفی، "الا اللہ" کے حقیقی اعتراف اور محمد الرسول اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے سے ممکن ہوا۔ آج حسرت و یاس کے مارے نوجوانوں میں پھر اُسی حرارتِ ایمانی کی ضرورت ہے جس کے بل بوتے وہ حالات کا دھارا درست کریں۔

کتابِ ہدایت کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ کے تربیتی منہج میں ایک خاص ترتیب ہے جس میں ایمان کے بعد دوسرا مرحلہ کتابِ ہدایت، قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ حضرت جندب بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ ہم ایامِ شباب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ﷺ نے پہلے ہمیں ایمان سکھایا اور پھر اس کے بعد کتاب اللہ کی تعلیم دی جس سے ہمارے ایمان میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔[۳] ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حصولِ علم کے درجات اور مراتب ہیں جن سے تعدی کرنا کسی طور بھی مناسب نہیں۔ ان میں (ایمان کے بعد) کتاب اللہ کی تعلیم ہے۔[۴]

درج بالا حدیث یہ بتاتی ہے کہ ایمان کے بعد نونہالان کی تعلیم و تربیت نہ صرف حفظ قرآن، تلاوت قران بلکہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۲۶، ۱/۱۸

(۲) ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داوٗد، باب فی اِفشاء السلام، حدیث نمبر: ۵۱۹۳، المکتبۃ العصریہ، صیدا، بیروت، ص: ۳۵۰

(۳) ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن، حدیث نمبر: ۶۱، دار احیاء الکتب العربیہ، بیروت، ۱/۲۳

(۴) خطیب بغدادیؒ، جامع بیان العلم وفضلہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲/۱۶۶

اس کے الفاظ و معانی میں تفکر و تدبر کے ذریعے ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ یہی وہ شاہِ کلید ہے جس سے حیاتِ انسانی کے تمام قفل کُھل جاتے ہیں۔ سربستہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے اور محدود عقل انسانی کو جِلا مل جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے مکی زندگی میں پہلے اپنے اصحاب کو ایمان سکھلایا پھر کتاب و حکمت سے انہیں اس طرح روشناس کروایا کہ وہ تراشے ہوئے ہیرے نظر آنے لگے جس میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اوج کمال تک پہنچایا۔ شاعر نے کیا خوب کہا:

درفشانی نے تیری نظروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے راہوں پر وہ اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیمِ قرآن کے منہج پر نوجوانان کی تربیت وہ نسخۂ کیمیا ہے جو ہر نوجوان کو ایک صحیح سمت کرتا ہے جس پر چلنے کے بعد اس کی سرگرمیوں کا رخ درست ہو جاتا ہے اور وہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں سمیٹ لیتا ہے۔ نوجوانوں کو چاہیئے کہ جب وہ کتاب اللہ کا مطالعہ کریں تو اسے صرف چند عبادات کا مجموعہ نہ سمجھیں بلکہ یہ تو وہ جامع ضابطۂ حیات ہے جو اخلاقیات و سماجیات، معاشیات و سیاسیات، ابلاغیات و بشریات سمیت ہر گوشہ زندگی پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہیں سے علوم نافعہ و غیر نافعہ کا دور اہابنتا ہے جس میں کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سراپائے علومِ نافعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے جب کتاب اللہ کی تعلیم دی تو اسرارِ شریعت بھی سکھائے اور رموزِ دنیا بھی۔ بدر میں تعلیم و تعلم کا فدیہ قرار پانا، صحابہ میں فن کتابت کا رواج پانا اور مختلف زبانوں سے آشنا ہونا سب رموزِ دنیا کی تربیت تھی۔

نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ کتاب و سنت میں غوطہ زن ہو کر اپنی سرگرمیوں کا رخ ان علوم نافعہ کی طرف موڑ دیں جن کا حکم قرآن حکیم نے أفلا يتفكرون اور أفلا يتدبرون کے ذریعے انہیں دیا ہے۔ اسی میں تعمیر کائنات بھی ہے اور تسخیر دنیا بھی۔ دونوں حکم قرآنی ہیں اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بھی۔ مربی کو چاہیئے کہ نونہالان کی تربیت اس انداز میں کرے کہ وہ حصولِ علم میں اپنے آپ کو کھپا ڈالیں کیونکہ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

خشیت وللٰہیت

خشیت وللّٰہیت وہ جواہر اساسی ہیں جن کی بدولت انسان حسنات کی طرف راغب ہوتا اور گناہوں سے رک جاتا ہے۔ خوف اور ڈر صرف اللہ ہی کے لیے روا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[1]

حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔

---

(۱) سورۃ التوبہ:۱۳

اور مؤمن کون ہے؟ قرآن حکیم اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾[1]

سچے مومن تو وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب اللہ کی آیات انہیں سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان کے پاس آئے جو مرض الموت میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ، مجھے اللہ تعالیٰ کے در سے امید بھی ہے لیکن ساتھ ہی گناہوں کا ڈر بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندے کے دل میں ایسے خیالات جمع نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ اس کی امیدوں کو بَر لے آتا ہے اور اسے خوف سے محفوظ کر دیتا ہے۔[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز ادا فرماتے تو بسا اوقات آپ کے سینے سے ہنڈیا کے ابلنے کی سی آواز آتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ خشوع و خضوع اور خشیتِ خداوندی تھی۔[3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ دعا سکھائی کہ اے اللہ میں شہود اور موجودگی میں آپ کی خشیت کا سوال کرتا ہوں۔

آج نوجوانوں میں ناچ، گانے، فحاشی و عریانی پر اصرار اور صوم وصلاۃ سے جو عملی انکار نظر آتا ہے اس کے پیچھے خشیت وللّٰہیت کا نہ ہونا ہے اگر نوجوانوں کی تربیت فرموداتِ نبوی کی روشنی میں کر دی جائے تو اس سیلاب کے سامنے بند باندھا جاسکتا ہے۔

یادِ آخرت اور تذکرہ موت

یاد آخرت اور تذکرہ موت انسان کو دنیا کی رنگینیوں میں کھو جانے سے باز رکھتا اور قربِ خداوندی نصیب کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو یاد رکھنے کی تلقین کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔[4] یادِ آخرت کے حصول کا ایک اہم ذریعہ زیارت قبور ہے۔ انسان جب قبرستان میں داخل ہوتا ہے تو اسے فانی دنیا کا احساس ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے دنیا سے آخرت کی جانب ضرور کوچ کرنا ہے جس کی پہلی منزل یہ قبر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے باغ ہے یا دوزخ کے ٹھکانوں میں سے ایک ٹھکانا۔[5] جنازوں میں شمولیت اور مردوں کو قبر میں اتارتے

---

(۱) سورۃ انفال:۲

(۲) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۶۱، ۲/۱۴۲۳

(۳) ابن حنبل، امام احمد، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۶۳۲۶، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ، ۲۶/ ۲۴۷

(۴) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۲۵۸، ۲/ ۱۴۲۲

(۵) سنن الترمذی، ۴/ ۶۴۰

وقت ان احادیث کا مضمون بدنِ انسانی پر سکتہ طاری کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنا محاسبہ کرتا ہے تو جگہ جگہ معاصی کے ارتکاب پر ندامت نظر آتی ہے۔ لہٰذا وہ رجوع الی اللہ کرتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے گھیر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مربی عالم حضور اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کی تربیت کی تو انہیں زیارتِ قبور کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو خوب روئے اور فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے والدہ کی مغفرت کی اجازت طلب کی تھی لیکن مجھے اجازت نہ ملی تو میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی جو مجھے مل گئی۔ تم قبروں کی زیارت کیا کرو اس سے موت یاد رہتی ہے۔[۱]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ میں نے تمھیں پہلے زیارت قبور سے منع کیا تھا لیکن اب تم قبرون کی زیارت کیا کرو[۲]

تعاون و تناصر کی ترغیب

نوجوانوں کی تربیت کا منہج نبوی یہ ہے کہ انہیں خیر، تعاون اور تناصر کے کاموں پر ابھارا جائے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[۳]

نیز نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، گناہ اور سرکشی کے کاموں میں نہ کرو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا «مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ، فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»[۴] کہ نیکی و بھلائی کے کاموں پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعاون کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ اخوت، مودت اور محبت میں مؤمنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے جس کے کسی ایک حصے میں تکلیف ہو تو پورا جسم بے چین ہو کر رہ جاتا ہے۔[۵] ایک مقام پر آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم اہل زمین پر رحم کرو رب السموت والارض تم پر رحم کرے گا۔[۶]

عصر حاضر میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ نوجوان نسل میں درج بالا ارشادات و فرمودات کو حرزِ جان بنانے کی سعی کی جائے تاکہ وہ سسکتی، تڑپتی انسانیت، مسکینوں اور محتاجوں، لاوارثوں اور بے آسراؤں، مریضوں اور اپاہجوں کے دکھوں کا مداوا کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کی تربیت اپنے افکار کی روشنی میں کی تھی

---

(۱) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۹۷۶، دار احیاء التراث العربی، ۲/۶۷۱

(۲) ایضا، حدیث نمبر: ۱۴۰۶، ۲/۱۰۲۵

(۳) سورۃ المائدہ: ۲

(۴) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۵۱۲۹، ۲/۷۵۵

(۵) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المومنین، حدیث نمبر: ۲۵۸۶، ۴/۱۹۹۹

(۶) سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۱۹۲۴، ۴/۳۲۴

تو صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہم جیسے نام منصہ شہود پر آئے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ راتوں کو اٹھ کر محتاجوں کا پانی بھرا کرتے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے باوجود راتوں کو گلیوں میں گشت کرتے تھے اور بھوکے بچوں کی گریہ و زاری ان کے بدن پر کپکپاہٹ طاری کر دیتی تھی۔

حسنات کی ترغیب اور سیئات سے انذار

امتِ محمدیہ کے اعزازات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ بہترین امت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیتی ہے۔ مسلمان جب تک اس فریضہ کو سر انجام دیتے رہیں گے، خیرِ امت کے لقب سے ملقب ہوتے رہیں گے اور جب اس کو ترک کریں گے تو ذلت کی پستیوں میں جا گریں گے۔ دور حاضر کا یہ المیہ ہے کہ نسلِ نوجو مرضی کرتی پھرے، اسے اُف تک کہنے کی مجال نہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج تربیت ہمیں اس کے بر عکس دکھائی دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہاری اولاد سات برس کی ہو تو اسے نماز کی تلقین کرو اور جب اس کی عمر دس برس ہو تو (عدم اداءِ صلوۃ) پر انہیں مارو۔[۱] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد ادا فرماتے اور وتر کے قریب پہنچتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے:

«قُومِي فَأَوْتِرِي يَا عَائِشَةُ»[۲] اے عائشہ بیدار ہو اور صلاۃ وتر ادا کر۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ایسے آدمی پر رحم کرے جو نماز کیلئے بیدار ہو اور اپنی بیوی کو بھی نماز کے لئے بیدار کیا۔ اور اگر وہ نہ اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے (تاکہ وہ بیدار ہو) اور اللہ ایسی عورت پر بھی رحم کرے جو نماز کے لئے بیدار ہوئی اور اپنے خاوند کو بھی بیدار کیا اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔[۳]

درج بالا احادیث کی روشنی میں یہ منہج سامنے آتا ہے کہ صرف اپنی آخرت کی ہی فکر نہ کی جائے بلکہ دوسروں کو آتشِ دوزخ سے بچانا یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔ نسل نو جو عبادات اور بالخصوص نماز پنجگانہ سے دور ہے، منت سماجت، نرمی و سختی گویا ہر طرح سے اس کی ایسی تربیت ضروری ہے کہ وہ اوامر کو بجالائیں اور نواہی سے کنارہ کش ہو جائیں، اس سلسلے میں والدین کا کردار بنیادی ہے اس کے بعد اعزاہ واقارب، مشائخ واساتذہ اور بزرگان قوم ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھر پور طریقے سے اپنا کردار ادا کریں اس لئے کہ نبی دوجہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اسی سے اس کی رعیت یا ماتحتوں کے بارے میں سوال ہو گا۔[۴]

---

(۱) سنن ابی داود، حدیث نمبر: ۴۹۵، ۱/۱۸۷
(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۷۴۴، ۱/۵۱۱
(۳) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۳۳۶، ۱/۴۲۴
(۴) صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۷۱۳۸، ۹/۶۲

دینی پروگرامز کا انعقاد

احکام خداوندی کی بجا آوری کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ انفرادی طور پر اوامر کو بجالایا جائے، مثلاً یہ کہ انفرادی طور پر ذکر و اذکار، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہا جائے۔ دوسرے یہ کہ اجتماعی طور پر ان میں حصہ لیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بسا اوقات فرضی عبادات کے علاوہ نفلی عبادات میں بھی اجتماع فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی معیت میں اکٹھے ہوتے اور یادِ خداوندی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے « اجْلِسُوا بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً »[۱] کہ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھو، ہم کچھ دیر ایمان کا تذکرہ کریں یعنی اللہ کا ذکر کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصحاب رسول کو بلاتے اور فرماتے: آو ایمان میں زیادتی کریں یعنی اللہ کا ذکر کریں جس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔[۲] نبی کریم ﷺ دینی اجتماعات کے لئے باجماعت نفل نماز تک ادا فرماتے اور مقتدیوں میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جیسے اصحاب ہوتے تھے. [۳] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں باب صلوٰۃ النفل جماعۃ کا عنوان بھی قائم کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نفل کی نماز باجماعت بھی ہو سکتی ہے۔[۴]

درج بالا اقوال و افعال رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انسان روز مرہ کی مصروف زندگی میں جب کھوتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے دل سے حلاوت ایمانی دور ہوتی چلی جاتی ہے پھر کچھ عرصے کے بعد ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عبادات گراں معلوم ہوتی ہیں اور اس کے بعد ترکِ عبادات جیسی نوبت بھی آجاتی ہے۔ اس کا بہترین علاج گاہے بگاہے دینی پروگرامز اور محافل کا انعقاد ہے۔ جس میں ذکر و اذکار، حمد و ثناء جناب رسول ﷺ کی مدح سرائی اور پند و نصیحت کے ذریعے نفسانی میل کچیل کا سدباب کیا جائے جس سے طبعیت میں حسنات کی رغبت پیدا ہو اور سیئات دشوار دکھائی دینے لگیں۔

جامعات چونکہ نوجوانوں کی نرسریاں ہیں اور ہزاروں طلباء و طالبات دن کا بیشتر حصہ جامعات میں ہی صرف کرتے ہیں تو انہیں پند و نصائح کا بہترین موقع معماران قوم کو میسر آتا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جامعات کے ارباب دانش ایسے پروگرامز کا انعقاد کریں جن سے نوجوانانِ قوم کی روحانی تربیت ہو اور دلوں کی اجڑی بستیاں ایک مرتبہ پھر یاد خداوندی سے آباد ہوں۔ یہاں ایک بات واضح رہے کہ ایسے تمام پروگرامز میں صدقِ دل اور خلوص نیت اولین شرط ہے۔ بہت ضروری ہے کہ نصحائے قوم دردِ دل رکھتے ہوئے، دنیاوی مفادات سے بالاتر ہو کر

---

(۱) ابن خلال، ابو بکر احمد بن محمد بن ھارون، السنۃ، حدیث نمبر: ۱۱۲۱، دار الرایۃ، ریاض، ۱۹۸۹ء، ۳۹/۴

(۲) ایضاً، حدیث نمبر: ۱۱۲۱، ۳۹/۴

(۳) عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۸۰/۳

(۴) صحیح بخاری، ۵۹/۲

ایسے پروگرامز کا بھرپور اور مؤثر انداز میں انعقاد کریں۔ طلباء وطالبات سے تاثرات لیں اور ان کی روشنی میں آئندہ کا لائحہ عمل متعین کریں جو طلبہ و طالبات ایسی محافل میں رغبت دکھائیں، شفقت بھرے انداز میں انہیں اس سلسلے سے نہ صرف جوڑے رکھیں بلکہ انہیں دیگر طلباء کی ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔

اپنی ذات سے نمونہ عمل پیش کرنا

آپ ﷺ کا منہج تربیت یہ ہے کہ اپنی ذات کو نمونہ عمل بنا کر پیش کیا جائے اس لئے کہ دوسروں کو اچھائی کی تلقین کرنے اور خود اس سے گریزاں رہنے سے مثبت کی بجائے منفی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں واضح کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر ناراضگی ہے کہ تم دوسروں کو نصیحت کرو اور خود اس پر عمل نہ کرو۔[۱] غزوہ احزاب جس میں پورے عرب کی جمعیت مسلمانوں کے خلاف لشکر آراء ہو گئی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تجویز پر خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ صحابہ خندق کھودنے میں جُت گئے تو آپ ﷺ بھی بنفس نفیس کدال لیکر نہ صرف شامل حال ہوئے بلکہ اس کی قیادت کی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے تھے، آپ ﷺ کو اپنی یہ کیفیت دکھانے لگے تو جناب رسول اللہ ﷺ کے پیٹ پر دو پتھر بندھے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم محنت مزدوری میں مصروف تھے وہیں رسول اللہ ﷺ بھی گارا اور پتھر اٹھا کر لاتے تھے یوں دیکھتے ہی دیکھتے مسجد نبوی تعمیر ہو گئی۔ آپ علیہ السلام نے ستائیس سے زائد غزوات میں نہ صرف یہ کہ خود حصہ لیا بلکہ ہر مرتبہ زمام قیادت آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں رہی تبھی قرآن نے کہا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[۲]

تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

دور حاضر کا المیہ یہ ہے کہ آج کا مربی خود اس چیز سے بے اعتنائی برتتا ہے جس کا درس وہ اپنے زیر تربیتوں کو دے رہا ہوتا ہے۔ پیر و مرشد اگر خود باجماعت نماز میں حریص نہیں تو اس کے متبعین نماز کے عادی کیوں کر ہوں؟ مدرس و استاذ اگر اپنے تلامذہ سے مخلص نہ ہو تو شاگردوں میں خلوص کی فصل کہاں سے پروان چڑھے؟ دورِ حاضر میں نوجوان نسل اپنی قیادت سے اسی لئے بیزار ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید پند و نصائح صرف انہی کے لیے ہیں اور قائدین بمع آل اولاد ان کا محل نہیں یا وہ مکمل طور پر آزاد ہیں۔ سیاسی قیادت سے بیزاری تو کھلے عام ہے اور اب یہ وبا مذہبی قیادت کی جانب بھی منتقل ہونے لگی ہے جو کہ بڑا المیہ ہے۔ ہمیں اس کا فوری ادراک کرنا ہو گا اور اس سے قبل کہ حالات اس نہج پر پہنچیں جہاں سے واپسی ناممکن ہو، اپنے آپ کو نمونۂ عمل بنا کر پیش کرنا ہو گا تا کہ نسلِ نو اپنے بڑوں سے سبق سیکھ کر وہ کچھ کرے جس کا درس ارباب حل وعقد نے انہیں دیا ہے۔

---

(۱) سورۃ الصف: ۲-۳

(۲) سورۃ الاحزاب: ۲۱

خلاصہ بحث

نوجوان جو کسی بھی قوم کا اثاثہ اور سرمایہ حیات ہیں، کی تربیت اسلوبِ نبوی پر نہایت ضروری ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جب اپنے اصحاب کی تربیت فرمائی تو ان میں ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسی شخصیات منصہ شہود پر آئیں۔ حیاتِ تابندہ کے ان درخشان ستاروں نے رہتی دنیا پر تا قیام قیامت انمٹ نقوش چھوڑے۔ آج رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تو اس دنیا میں موجود نہیں مگر آپ کا منہج موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اُسی منہج نبوی کو اپنایا جائے اور نوجوانانِ قوم کی اخلاقی تنزلی کا سدباب کیا جائے۔ اس سلسلے میں چند ایک گزارشات فائدہ مند ہو سکتی ہیں جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

١۔ تربیت شباب کی پہلی ذمہ داری والدین کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کریں کہ وہ معاشرے کا کار آمد فرد بنیں۔ افسوس صد افسوس کہ مال و دولت کی ہوس میں والدین کو وہ اوقات میسر نہیں جس میں وہ تربیت اولاد کا فریضہ سر انجام دے سکیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اولاد والدین سے بیزار اور معاشرے سے باغی ہے۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ والدین اپنی اولاد پر دنیاوی مفادات کو قربان کر کے انہیں جہنم کا ایندھن بننے سے بچائیں۔

٢۔ تعلیمی ادارے نوجوانوں کی نرسریاں ہیں جہاں انہیں تعلیم تو مہیا کی جاتی ہے مگر افسوس کہ تربیتی پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مخرب تربیت امور کی اجزات دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہم پڑھے لکھے جاہل پیدا کر رہے ہیں اور اخلاقی دیوالیہ پن اس پر مستزاد ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تعلیمی اداروں کی اولا تو خود اخلاقی اقدار بحال کی جائیں جہاں مطمع نظر سرمائے کی بجائے انسانیت ہو اور پھر تعلیم کے ساتھ تربیت کا مربوط بندوبست کا جائے تا کہ وہاں سے فارغ التحصیل جونوان علم و عمل کا نمونہ ہو۔

٣۔ اسلامی ریاست کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھرپور طریقے سے انجام دے۔ لہٰذا اوّلاً تو حکومت وقت اس اہم دینی فریضے کے لیے ساز گار ماحول فراہم کرے، ثانیاً یہ کہ جہاں کہیں کمی کوتاہی ہو، اس کے ازالے میں اپنی قوت نافذہ کو استعمال کرے ۔ درج بالا اقدامات کو اگر سنجیدہ طور پر لیا جائے تو بھرپور توقع ہے کہ ان شاءاللہ نتائج حوصلہ افزا ہو سکتے ہیں۔